محاسنِ
کنزالایمان

ملک شیر محمد خان اعوان

مرکزی مجلسِ رضا ◎ لاہور

سلسلہ مطبوعات (نمبر ۱۰)

محاسنِ کنز الایمان

از

ملک شیر محمد خاں اعوان آف کالا باغ

مرکزی مجلس رضا لاہور

کتاب	محاسن کنز الایمان
مرتب	ملک شیر محمد خان اعوان
کمپوزنگ	[illegible] لاہور
تصحیح	علامہ محمد منشا تابش قصوری
طباعت اول	ذی قعدہ [illegible]ھ
ناشر	[illegible]
تعداد	[illegible]
ملنے کا پتہ	[illegible]
مطبع	[illegible] پرنٹرز۔ لاہور

ملنے کا پتہ

مرکزی مجلس رضا

نوری مسجد بالمقابل ریلوے سٹیشن، لاہور

فہرس

انتساب
پیش لفظ
ابتدائیہ
سخنہائے گفتنی
تعارف صاحبِ کنز الایمان
کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن کے محاسن
کنز الایمان کے ادبی کمالات

اِنتساب

میں اِن اوراق کو شیخ المشائخ حضرت مولانا ضیاء الدین احمد قادری رضوی مہاجر مدنی مُدَّ ظِلُّہُ العَالِی (خلیفۂ اعلیٰحضرت بریلوی قدس سرہ العزیز) کے اسمِ گرامی سے مُعَنوَن کرنے کی جسارت کرتا ہوں جن کی نیک نفسی اور روحانی پاکیزگی، صلحائے سلف کی یاد کو تازہ کرتی ہے ؎

اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں
بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں!

شبیر محمد خان

پیش لفظ

اثرِ خامہ حضرت علاّمہ غلام رسول صاحب سعیدی مُدّظِلّہُ العالی

۲۸۶/۹۲

جو مقامِ امتیاز قرآن مجید کو باقی کتبِ سماویہ کے درمیان حاصل ہے اعلیٰحضرت کے ترجمہ قرآن کو وہی مقام باقی تراجم میں حاصل ہے۔ کسی زبان کے حسنِ بیان، پس منظر و پیش منظر کی رعایت سے اظہار کے اطوار اور لب و لہجہ کے پیش و خم کو جس حد تک ترجمہ میں ڈھالا جا سکتا ہے۔ اعلیٰحضرت کا ترجمہ اس کے نقطہ عروج پر پہنچا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اس ترجمہ میں اردو عربی کے اسلوب میں ڈھلی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور فصاحت بیان کے آئینہ میں اعجاز قرآن کا عکس نظر آتا ہے۔

اس ترجمہ میں علم کلام کی الجھی ہوئی گتھیاں سلجھا کر عبارت کے سلیس فقروں میں رکھ دی ہیں۔ ذات صفات، جبر و قدر اور نبوت و رسالت کے نازک مسائل کو جس عمدگی اور اختصار کے ساتھ ترجمہ کی سحر کاری سے سہل کیا ہے امام رازی اگر اسے دیکھ پاتے تو بے اختیار آفرین کہتے۔ ابن عطا اور جبائی کے سامنے یہ ترجمہ ہوتا تو شاید اعتزال سے توبہ کر لیتے۔ خامہ تصوّف سے جس طرح اعلیٰحضرت نے آیات کے بطن کو

ترجمہ میں ڈھالا ہے۔ غزالی ہوتے تو اسے دیکھ کر وجد کرتے، ابن عربی شادکام ہوتے اور سہروردی دعائیں دیتے۔ ترجمہ کے ضمن میں جو فقہی نگینے لائے ہیں اگر امام اعظم پر پیش کئے جاتے تو یقیناً مرحبا کہتے اور اگر ابن عابدین اور سید طحطاوی کے سامنے یہ فقہی آبگینے ہوتے تو اعلیٰحضرت سے تلمذ کی آرزو کرتے۔

قرآن مجید کے علوم و فنون، اس کی فصاحت و بلاغت اور اس کی تاویل و تفسیر پر جو شخص نگاہ رکھتا ہو وہ جب اس ترجمے کو پڑھے گا تو یقیناً سوچے گا کہ اگر قرآن اردو میں اترا ہوتا تو یہ عبارت اس کے قریب تر ہوتی اور جو فصاحت زبان سے آشنا ہو اُسے کہنا پڑے گا کہ اس ترجمہ میں زبان و بیان کی بلاغت اعجاز کی سرحدوں کو چھوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

محترم ملک شیر محمد خاں اعوان کی مساعی یقیناً قابلِ تحسین اور لائق تبریک ہیں جنہوں نے کنزالایمان کے روئے زیبا سے حجاب اٹھایا اور بے ذوقوں کو ذوقِ نظارگی سے آشنا کیا۔ سطح ظاہر پر گذارہ کرنے والوں کو ژرف نگاہی بخشی اور حقائق و معارف کے نامحرموں کو حریم راز میں شریک کر لیا۔ ملک صاحب موصوف کی یہ کوشش تشنہ کاموں کے لئے آسودگی کا سامان ہے مگر آسودگی کہاں! علم کے متلاشیوں اور معرفت کے طلب گاروں کا اضطراب تو اور بڑھ گیا ہے تشنگی حلق میں کانٹا بن کر چبھ رہی ہے اور طلب کسک بن کر جگر میں اٹھ رہی ہے ضرورت ہے کہ ان تشنہ کاموں کی پیاس بجھانے کے لئے میدان تحقیق کے تیز گام اس شاہراہ کی طرف متوجہ ہوں جس کی طرف ملک صاحب نے اپنے اس مقالہ میں رہنمائی کی ہے۔

ملک صاحب نے منتخب آیات کے ترجمہ کے علمی اور ادبی نکات کو نکھارا ہے اور تراجم اغیار کے اندھیروں میں کنزالایمان کے نور کو نمایاں کیا ہے

لیکن یہ سب نقطہ آغاز ہے اختتام نہیں ۔ راہ گزر ہے منزل نہیں ۔میرا خیال ہے اعلیٰحضرت کے ترجمہ کے محاسن کا بیان اصل میں ہمارے علم کا امتحان ہے ۔ہمارا علم جتنا بڑھتا جائے گا یہ محاسن اتنے سامنے آتے جائیں گے ۔جس طرح آسمان پر کچھ ستارے ہمیں نظر آتے ہیں اور کچھ نہیں اور جوں جوں ہماری نگاہ تیز ہوگی یہ ستارے نظر آتے جائیں گے ۔کنز الایمان محاسن کے ستاروں کا آسمان ہے ۔ جتنا ہمارا علم زیادہ ہوگا اتنے ہی یہ ستارے زیادہ نظر آئیں گے ۔

خود غرضی اور نفسی نفسی کے اس دَور میں جہاں لاگ لپیٹ کے بغیر کوئی کسی کا کام نہیں کرتا ۔ اخلاص کمیاب ہے ۔ ایثار عام نہیں ۔مطلب برآری اور خود پرستی کے ان اندھیروں میں حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری نے اخلاص اور ایثار کا فانوس روشن کیا ہوا ہے ۔ وہ مجلس رضا کے ذریعے سرکار اعلیٰحضرت کی خدماتِ جلیلہ پر یکے بعد دیگرے رسائل شائع کرتے چلے گئے ۔نہ صلہ نہ ستائش نہ طلب ۔ مقصد سامنے یہ رکھا کہ جو لوگ اعلیٰحضرت کو صرف اس حیثیت سے جانتے ہیں کہ وہ ہند میں فاتحہ اور ختم کو رواج دینے والے تھے اور ان کی ساری زندگی دسویں اور چالیسویں کے جھگڑوں میں گزر گئی یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ ایک نعت گو شاعر تھے، ایسے لوگوں کی آنکھوں سے ناواقفیت کے پردے اٹھا دیئے جائیں اور اعلیٰحضرت کا علمی جلال اور ان کی صحیح شخصیت پیش کی جائے تاکہ کوئی شخص اہل سنت کے صحیح مسلک کو محض اعلیٰحضرت سے ناواقفیت کی بنا پر چھوڑنے نہ پائے ۔

اغیار نے تاریخ کو مسخ کر کے جس طرح حقائق کو پامال کیا ہے ۔اس کے سبب اسکول اور کالج کے طلبہ میں اعلیٰحضرت اور مسلک بریلوی کے بارے میں مختلف قسم کی غلط فہمیاں پیدا ہو رہی تھیں ۔اس کے دفاع کے لئے ایسے پاکیزہ، شستہ اور دیدہ زیب لٹریچر کی ضرورت تھی جو اس نئی نسل کے ذہنوں کو اپیل کر سکے، شکوک کا

غبار صاف ہو، غلط فہمیوں کی دھند چھٹ سکے اور بھٹکے ہوئے اذہان جادہ استقامت پر آسکیں۔ اس صاف اور بے داغ مقصد کی خاطر حکیم صاحب موصوف نے مرکزی مجلس رضا کی طرف سے ایک قلیل عرصہ میں اہل خرد کے لئے کثیر تعداد پر مشتمل لٹریچر مہیا کر دیا۔ اس عظیم کام کے لئے حکیم صاحب نہ اسباب و وسائل پر اعتماد کرتے ہیں اور نہ تلاش — وہ جب بھی کسی کتاب یا رسالہ کی اشاعت کا ارادہ کرتے ہیں وسائل خود ہی انہیں تلاش کر لیتے ہیں .... آخر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجلس رضا کے پھیلائے ہوئے نور کو مزید تابناکیاں عطا فرمائے اور اس کے باقی اراکین و معاونین کی مساعی جمیلہ کو مقبول و مشکور فرمائے۔ آمین

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

میں قرآن حکیم کے ایک ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے عرصۂ دراز سے قرآن مجید کے مختلف اردو تراجم کا تقابلی مطالعہ کر رہا ہوں اور میں اس طویل و عمیق مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اعلیحضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ کا ترجمۂ قرآن موسومہ کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن اپنی گوناگوں خصوصیات کے باعث دیگر تراجم میں ایک امتیازی شان کا حامل ہے۔ مجھے امید تھی کہ ان کے ترجمۂ قرآن کے علمی، ادبی اور لغوی محاسن واضح کرنے کیلئے کوئی عالم دین قلم اٹھائیں گے مگر افسوس کہ اس اہم موضوع کی طرف آج تک کسی عالم دین نے کماحقہٗ توجہ نہیں دی۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ میں قرآن مجید کا ادنیٰ طالب علم ہوں اور میرا یہ منصب نہیں کہ اس مہتم بالشان موضوع کا حق ادا کر سکوں؛

ایاز قدرِ خود بشناس

تاہم علمائے کرام کی توجہ اس موضوع کی طرف منعطف کرانے کیلئے زیر نظر مقالہ لکھنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ میری یہ حقیر سی کوشش ان حضرات کے قلم کو ضرور حرکت میں لائے گی جو اس موضوع کا حق ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

شبیر محمد خان

کالا باغ
ضلع میانوالی

۱۲ ربیع الاوّل ۱۳۹۴ھ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سخنہائے گفتنی

اسلام کے پورے اعتقادی اور عملی نظام میں پہلی اور بنیادی چیز قرآن حکیم ہے باقی تمام عقائد و اعمال اسی اصل سے ماخوذ ہیں اور جتنے اخلاقی احکام اور معاشی و معاشرتی ضوابط ہیں سب اسی مرکز سے ہدایات حاصل کرتے ہیں ۔ یہ وحی، کتاب کی شکل میں آج بھی ہمارے پاس محفوظ ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں مسلمانوں کے لئے ہدایت و رہنمائی کا سرچشمہ ہے۔

قرآنِ حکیم کا فیضان زمان و مکان کے اندر محدود نہیں اس سے ہر شخص خواہ وہ کرۂ ارض کے کسی حصہ پر آباد ہو، کسی دور میں زندگی بسر کرے یکساں طور پر ہدایت حاصل کرنے کا حق رکھتا ہے اور حقائق و معارف سے مستفیض ہو سکتا ہے اس لئے قرآن کا سمجھنا اور سمجھ کر اس سے اپنی زندگی کے ہر مرحلہ میں رہنمائی حاصل کرنا ہمارا اوّلین فرض ہے۔ قرآن نے اپنے نزول کی غرض و غایت یہ بتلائی ہے:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (پارہ ۲۳ رکوع ۱۲)

"یہ ایک کتاب ہے کہ ہم نے تمہاری طرف اتاری، برکت والی تاکہ اس کی آیتوں کو سوچیں اور عقل مند نصیحت مانیں۔"

ایک دوسری جگہ فرمایا ہے :

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ۝

(پارہ ۲۶ رکوع ۷)

"تو کیا وہ قرآن کو سوچتے نہیں یا بعضے دلوں پر ان کے قفل لگے ہیں"۔

اس مضمون کی بے شمار آیات ہیں جو قرآن میں تدبّر و تفکّر کی دعوت دیتی ہیں۔ اس لئے ہر ایک مسلمان کا فرضِ اولین ہے کہ قرآن کریم کو خود پڑھے اور دوں کو پڑھائے، خود سمجھے دوسروں کو سمجھائے، خود عمل کرے دوسروں سے عمل کرنے کی جدوجہد کرے۔ قرآن حکیم چونکہ عربی مبین میں ہے اور ہر آدمی عربی کا فاضل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے دوسری زبانوں میں اس کا ترجمہ کرنا ناگزیر ہے اور پھر ترجمہ کی مشکلات کا اندازہ حسب ذیل واقعہ سے کیا جا سکتا ہے۔ جناب ملّا واحدی صاحب لکھتے ہیں کہ :

"سلطنت حیدرآباد دکن کے آخری سلطان نظام الملک ہفتم میر عثمان علی خاں کے پاس ایک صاحب تھے جنہیں آج سے چالیس پچاس برس پہلے دو ہزار روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ ان کا کام فقط یہ تھا کہ جسے میر عثمان علی خان زبانی پیغام بھیجنا چاہیں اسے وہ اس طرح پہنچا دیں جس طرح میر عثمان علی خاں نے پیغام دیا ہے۔ پیغام سناتے وقت پیغام پہنچانے والے صاحب پر ان کیفیات کا طاری ہونا ضروری تھا جو پیغام بھیجتے وقت میر عثمان علی خاں پر طاری ہوتی تھیں۔ میر عثمان علی خان خوش ہو کر کوئی بات کہتے تو وہ بھی خوش ہو کر اُسے نقل کرتے۔ میر عثمان علی خان بگڑ کر، تیوری چڑھا کر بات کرتے تو وہ بھی بگڑتے اور تیوری چڑھاتے۔ الفاظ کا بدلنا تو ممکن ہی

نہیں تھا۔ لہجہ اور طرزِ کلام بھی میر عثمان علی خان کا رہتا تھا ۔ مخاطب جان جاتا تھا کہ مجھ پر عنایت ہوئی ہے یا عتاب ہوا ہے ۔"

ایک انسان کی بات دوسرے انسان کو من و عن پہنچانی کس قدر مشکل تھی یہ اللہ کا فضل ہے کہ اس نے اپنا پیغام اپنے الفاظ اور اپنے لہجے میں محفوظ کرا دیا اور اس کی دائمی حفاظت کا وعدہ فرمایا۔ جو لوگ قرآن مجید کو قرآن مجید کی اصل زبان عربی میں سمجھتے ہیں، انہیں معلوم ہے کہ قرآن مجید کے ترجمے اصل زبان عربی کا بدل نہیں ہیں — قرآن مجید کی عربی کی عربی میں بھی تفہیم کی جائے یعنی قرآن مجید کی کسی آیت کا مطلب کوئی عرب اپنی زبان میں بھی بیان کرے تو وہ کیفیت باقی نہیں رہے گی جو قرآن مجید کی عربی میں ہے پھر دوسری زبان میں ترجمہ تو اصل کیفیت کو بالکل کھو دیتا ہے لیکن چارہ ہی کیا ہے۔

جب ہمارے ہاں ہندوستان میں عربی جاننے والے ختم ہو گئے تو مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو قرآن مجید کا ترجمہ فارسی میں کرنا پڑا۔ ہندوستان کے دیگر علماء ترجمہ کرنے کے خلاف تھے مگر مولانا شاہ ولی اللہ دُور اندیش تھے انہوں نے اچھا کیا کہ قرآن مجید کے سمجھنے کا کچھ تو سامان کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ خدمت انجام دلا دی، ان کے بیٹوں شاہ رفیع الدین اور مولانا شاہ عبدالقادر نے دیکھا کہ فارسی بھی ہندوستان میں چند دن کی مہمان ہے، لہٰذا مولانا شاہ رفیع الدین نے قرآن مجید کا اردو میں لفظی ترجمہ کر ڈالا (لفظ کے نیچے لفظ) اور مولانا شاہ عبدالقادر نے بامحاورہ ترجمہ کیا۔ دو سو برس قبل کی بامحاورہ اردو ہیں، لیکن زبان و بیان کی قدامت کے باعث ان ترجموں سے اردو خوان طبقہ کے لئے استفادہ ممکن نہیں تھا۔ علاوہ ازیں "تقویت الایمان" کے مکتبۂ فکر کے علماء نے اپنے عقائد کے مطابق ان ترجموں میں کہیں کہیں تصرف بھی کر دیا تھا۔

ان ترجموں کے بعد ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کا ترجمہ قرآن مجید شائع ہوا۔ لیکن انہوں نے ترجمہ میں جا بجا محاورات گھسیڑ کر قرآن حکیم کے مطالب کو ہی گم کر دیا اور اکثر مقامات پر اپنے نیچری خیالات کو بھی داخل کر دیا۔ اندریں حالات ملت اسلامیہ کے لئے ' قرآن مجید کے ایک صحیح ' سلیس اور با محاورہ ترجمہ کی اشد ضرورت تھی۔ آخر اس ضرورت کو احسن طور پر پورا کرنے کی سعادت اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کو نصیب ہوئی۔ اعلیٰحضرت بریلوی نے ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء میں قرآن مجید کا جیتا جاگتا اردو ترجمہ پیش کیا۔ مولانا محمود الحسن کا ترجمہ ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء میں مکمل ہوا۔ اور ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳ء میں منظر عام پر آیا۔ مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالماجد دریا بادی اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے تراجم (مع تفسیر قرآن) تو بہت بعد کی چیزیں ہیں۔

اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں کا ترجمۂ قرآن کس طرح عالم وجود میں آیا۔ اس کی تفصیل اعلیٰحضرت کے سوانح نگار مولانا بدرالدین احمد رضوی کی زبان سے سنیئے :-

"صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ نے قرآن مجید کے صحیح ترجمہ کی ضرورت پیش کرتے ہوئے اعلیٰحضرت سے ترجمہ کر دینے کی گزارش کی۔ آپ نے وعدہ فرما لیا۔ لیکن دوسرے مشاغل دیرینہ کثیرہ کے ہجوم کے باعث تاخیر ہوتی رہی جب حضرت صدر الشریعہ کی جانب سے اصرار بڑھا تو اعلیٰحضرت نے فرمایا چونکہ ترجمہ کیلئے میرے پاس مستقل وقت نہیں ہے اس لئے آپ رات میں سونے کے وقت یا دن میں قیلولہ کے وقت آجایا کریں۔ چنانچہ حضرت صدر الشریعہ ایک دن کاغذ، قلم اور دوات لے کر اعلیٰحضرت کی خدمت میں

حاضر ہو گئے اور یہ دینی کام بھی شروع ہو گیا۔

ترجمہ کا طریقہ یہ تھا کہ اعلیٰحضرت زبانی طور پر آیات کریمہ کا ترجمہ بولتے جاتے اور صدرالشریعہ اس کو لکھتے رہتے لیکن یہ ترجمہ اس طرح پر نہیں تھا کہ آپ پہلے کتب تفسیر و لغت کو ملاحظہ فرماتے بعدہٗ آیت کے معنی کو سوچتے پھر ترجمہ بیان کرتے بلکہ آپ قرآن مجید کا فی البدیہہ برجستہ ترجمہ زبانی طور پر اس طرح بولتے جاتے جیسے کوئی پختہ یادداشت کا حافظ اپنی قوت حافظہ پر بغیر زور ڈالے قرآن شریف روانگی سے پڑھتا جاتا ہے۔ پھر جب حضرت صدرالشریعہ اور دیگر علمائے حاضرین اعلیٰحضرت کے ترجمے کا کتب تفاسیر سے تقابل کرتے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ اعلیٰحضرت کا یہ برجستہ فی البدیہہ ترجمہ تفاسیر معتبرہ کے بالکل مطابق ہے الغرض اسی قلیل وقت میں یہ ترجمہ کا کام ہوتا رہا۔ پھر وہ مبارک ساعت بھی آگئی کہ حضرت صدرالشریعہ نے اعلیٰحضرت سے قرآن مجید کا مکمل ترجمہ کرالیا اور آپ کی کوشش بلیغ کی بدولت دنیائے سنیت کو کنزالایمان کی دولت عظمیٰ نصیب ہوئی ــــ"

(سوانح اعلیٰحضرت امام احمد رضا صفحہ ۲۷۴/۲۷۵)

تعارف صاحبِ کنزالایمان

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

زمین سیکڑوں مرتبہ آفتاب عالمتاب کے گرد چکر لگاتی ہے۔ چاند لاکھوں بار کرۂ ارض کا طواف کرتا ہے اور سورج کروڑوں مرتبہ حجلۂ مشرق سے جھانکتا اور خلوت کدۂ مغرب کی کالی تاریکیوں میں اپنا چہرہ چھپالیتا ہے۔ تب کہیں تاریخ کے صفحات میں کوئی ایسی شخصیت ابھرتی ہے جس پر کائنات کے پردۂ زنگاری میں بیٹھا ہوا محبوب اپنی اعجاز آگیں نوازشیں بکھیر دیتا ہے اور اس محبوبِ دلنواز کے ساحرِ تبسم کے فدائی اُس شخصیت کے قدموں پر عقیدتوں کے نذرانے بچھا دیتے ہیں۔ بلاشبہ تاریخ ایسی شخصیتوں کو پیش کرنے میں بالکل تہی دامن اور مفلس نہیں رہی لیکن یہ بھی ایک برہنہ حقیقت ہے کہ اس کے پاس ایسا سرمایہ نادر و نایاب کی حد تک قلیل ہے۔ بیسویں صدی عیسوی کی پوری تاریخ چھان ڈالیے، آپ کو صرف ایک ہی ایسی شخصیت نظر آئے گی جس نے فقہی فضیلت اور علمی کمال کے ساتھ ساتھ دینی و ملی خدمات کی سرانجام دہی میں مؤثر ترین کردار ادا کیا اور یہ شخصیت اعلیحضرت بریلوی علیہ الرحمۃ کی تھی۔ سلف صالحین کا

دَورتو آفتاب و ماہتاب کا دور تھا لیکن متاخرین کا دَور بھی مولانا احمد رضا خان کے علمی کارہائے نمایاں پیش کر کے اپنے ماتھے سے کم مائیگی کا داغ دھو سکتا ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد مسلمانانِ ہند صرف میدانِ جنگ میں ہی نہیں بلکہ میدان علم و حکمت میں بھی انگریزی علوم سے شکست کھا چکے تھے اس وقت مغربی علوم سے مرعوب ذہنیتیں جنم لے رہی تھیں۔ مغربی علوم کا سیلِ بلا حصار اسلام کی بنیادوں سے ٹکرا رہا تھا اور ادھر صورتِ حال یہ تھی کہ جن لوگوں کا فریضہ' مدافعت تھی وہ خود بے بس تنکوں کی طرح اس سیلاب کے تندریلوں کے ساتھ بہہ رہے تھے اور دوسروں کو بھی یہ تلقین کر رہے تھے کہ :۔

"دُرْمَعَ الدَّھْرِ کَیْفَ یُدَار"

"چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی"

اس وقت اعلیٰحضرت بریلوی کے علم و دانش نے زبان و قلم کے ہتھیاروں سے تجدّد کی فتنہ انگیز تحریک کے خلاف صف آرائی کی اور تاریخ آج تک شہادت دے رہی ہے کہ اس منہ زور تحریک نے علم کے اسی بحرِ زخّار کے سامنے دم توڑ دیا۔ وہ معارف قلب و روح کے ساتھ ساتھ علوم عقلی و نقلی میں بے مثال مہارت کے حامل تھے مسلمانانِ پاک و ہند کے سوادِ اعظم کو ۱۸۵۷ء میں مولانا فضل حق خیر آبادی اور دیگر علمائے اہلِ سنت کے فتویٰ جہاد کے بعد آپ ہی کی تحریکِ عرفانِ رسالت نے مجتمع کیا تھا۔ ہیئت اجتماعیہ اسلامیہ کی از سرِ نو تنظیم کا صلہ وہ تاج عظمت و کرامت ہے جو اعلیٰحضرت کے لقب کی صورت میں آپ کے فرقِ مبارک پر زینت افروز ہُوا۔

منعم حقیقی نے انتہائی فیاضی سے انہیں بے مثال قابلیت، فہم و ذکا، بے نظیر

حافظہ، فصاحت و بلاغت اور سروریٔ قلم و بیان کی اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ دینی علوم میں آپ کی مسلمہ مہارت تو خیر ایک حقیقت ثابتہ شمار کی جاتی ہے لیکن ریاضی، تکسیر اور نجوم وغیرہ علوم دنیوی میں بھی آپ کو وہ تبحّر حاصل تھا کہ ان علوم کے ماہرین اپنے اشکالات کا جواب حاصل کرنے کے لئے اس منبع علم و حکمت کی بارگاہِ دانش کے محتاج رہتے تھے۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاء الدین مرحوم ریاضی کے معروف و مسلّم ماہر شمار کئے جاتے تھے۔ وہ بعض مسائل ریاضیہ کے سلسلہ میں بہت سی الجھنوں میں مبتلا تھے۔ انہوں نے مولانا سید سلیمان اشرف کے توسط سے اعلیحضرت کے حضور میں شرف باریابی حاصل کیا۔ نمازِ عصر کے بعد سلسلۂ گفتگو کی ابتدا ہوئی۔ آپ نے اپنا ایک قلمی رسالہ جس میں مثلث اور دائرے کی مختلف اشکال کے ادق مسائل تحریر تھے۔ ڈاکٹر صاحب کو دکھایا، وہ انگشت بدنداں ہو کر کہنے لگے کہ میں نے ان چیزوں کے حصول کے لئے بارہا مشرق و مغرب کے ماہرین ریاضی سے ملاقاتیں کیں۔ مگر یہ چیزیں کہیں بھی حاصل نہ ہو سکیں۔ آخر آپ نے یہ سب کچھ کس استاد سے پڑھا۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے اپنے والد صاحب سے (محض) جمع، تفریق، ضرب، تقسیم کے قواعد محض اس لئے سیکھے تھے کہ علم میراث میں ان کی ضرورت پڑتی ہے۔ شرح چغمینی شروع کی تھی کہ والد مکرم نے منع کر دیا اور کہا کہ ان میں کیوں وقت صرف کرتے ہو۔ یہ تمام علوم بارگاہِ رسالت میں تمہیں خود بخود سکھا دیئے جائیں گے۔ چنانچہ یہ سب کچھ جو آپ دیکھ رہے ہیں اسی بارگاہِ اقدس و اعظم کا فیضان ہے۔ میں اپنے مکان کی چار دیواری میں بیٹھا خود ہی یہ اشکال بناتا اور مسائل حل کرتا رہتا ہوں۔

یہ گوناگوں صلاحیتیں اور بے مثال قابلیت منعم حقیقی نے ایک مخصوص مقصد

کی تکمیل کے لئے آپ کو ودیعت فرمائی تھیں، فہم وفراست کا یہ اعجاز نہیں تو اور کیا ہے کہ آپ نے پونے چودہ سال کی عمر میں علوم متداولہ میں مکمل دستگاہ حاصل کرلی اور پھر درس وتدریس وعظ وارشاد اور عبادات وریاضات کو اپنا معمول بنالیا اور آخری سانس تک زبان وقلم سے حقیقی اسلام کی اشاعت اور سیل الحاد وتجدد کی مخالفت اور اسلام کی مدافعت میں مصروف رہے۔ بارگاہِ رسالت کو نشانہ بناکر جو تیر بھی چلایا گیا اس دیوانۂ رسالت نے سینہ سپر کردیا۔ توہین رسالت کے لئے کہیں کوئی زبان حرکت میں آئی اس فدائے مصطفیٰ کا قلم برقِ خاطف بن کر اس پر گرا اور اسے بھسم کرکے رکھدیا مخالفت کے تند ریلے آئے، الزام تراشیوں کے طوفان اٹھتے رہے، عداوت کی بلاخیز موجیں ٹکراتی رہیں مگر رسالت کا یہ عاشق پہاڑ کی طرح ان کے سامنے ڈٹا رہا اور زمانے کے کان سنتے رہے کہ وہ کہہ رہا تھا ؎

اگر یک ذرہ کم گردد ز انگیزِ وجودِ من
بایں قیمت نمی گیرم حیاتِ جاودانی را

آج اگر عصمتِ انبیاء کا چراغ روشن ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ احمد رضا خان کا دامن اس کا فانوس بنا ہوا ہے۔ آج سواد اعظم کے جتنے بھی علمائے کرام ہیں انہیں اس بات پر فخر حاصل ہے کہ وہ اعلیٰحضرت کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد اور عقیدت کیش ہیں ؎

بجتا ہے آج علم کا جو ساز دوستو
یہ بھی اسی جرس کی ہے آواز دوستو

انگریزی علوم کے مقابلہ میں آپ نے ایک ایسے علم کلام کی بنیاد ڈالی جس نے شک وارتیاب کی تاریک وادیوں میں بھٹکتے ہوئے اذہان کو مینارِ نور بن کر راہِ ہدایت دکھائی آپ نے ہندوستان میں نیچریت وغیرہ کی سی اعتزالی تحریکوں کو غیراسلامی ثابت

کر کے مسلمانوں پر یہ حقیقت واضح کر دی کہ امکان نظیر رسالت یا امکان کذب باری تعالیٰ کی ملعون تحریکیں صرف علمی بحثیں نہیں بلکہ فرنگی کی فتنہ پرور ذہنیت کی اڑائی ہوئی ایسی چنگاریاں ہیں جو مسلمانوں کے قلوب سے روح جہاد فنا کرنے کے لئے کسی وقت بھی آتش بار شعلوں میں بدل سکتی ہیں۔

تقدیس رسالت کی جو تحریک آپ نے ۱۸۷۵ء سے ۱۹۲۱ء تک جاری رکھی اور محافل میلاد کے انعقاد کی جو مشعلیں آپ نے روشن رکھیں وہ آج سلگتے ہوئے ستاروں میں تبدیل ہو کر ظلمت کدۂ دہریت والحاد میں ضیاء بکھیر رہی ہیں، آپ نے مختصر سی عمر میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں وہ اس بات کے شاہد عادل ہیں کہ آپ کا وجود آیات خداوندی میں سے ایک محکم آیت کا درجہ رکھتا تھا۔

احمد رضا خان کسی فرد واحد کا نام نہیں، تقدیس رسالت کی تحریک کا نام تھا۔ عامۃ المسلمین کے زندہ ضمیر کا نام تھا۔ عشق مصطفیٰ میں ڈوب کر دھڑکنے والے پاک، بابرکت اور پُرسوز دل کا نام تھا اور جب تک یہ سب چیزیں زندہ رہیں گی احمد رضا خان کا نام زندہ رہے گا۔ اس نام کو خدائے قدوس نے سورج کی کرنوں کے ساتھ آسمان کی وسیع البسط چھاتی پر ہمیشہ کے لئے ثبت کر دیا ہے اور اب حادثاتِ حیات کا کوئی بیداد جھونکا اور زمانے کی کوئی سنگدل ٹھوکر اسے مٹا نہیں سکتی ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

آپ نے عشق کو نئی زندگی عطا کر دی، جنونِ محبت کو دوام عطا کر دیا اور جہانِ قلب و روح میں محبت کی وہ سرمدی مستی اور لافانی سرور و خمار بھر دیا جسے فنا کرنا تو کجا اس کی حدّت کا کم ہونا بھی ابد تک ممکن نہیں۔

اعلیٰحضرت کے مخالفین انکے اپنے دور میں بھی بیشمار تھے اور آج بھی لاتعداد ہیں مگر کیا یہ ایک حقیقت نہیں کہ نہ وہ اس وقت اس کا کچھ بگاڑ سکتے تھے اور نہ آج تک اس کے

منور نام کی درخشندگی کم کر سکے ہیں۔ وہ حُبِ رسالت کا قاسم تھا۔ اس نے تقدیس رسالت کا درس دیا۔ محبوب اقدس و اعظم کی شان محبوبیت سمجھائی۔ انہوں نے تقریباً ہر موضوع پر لکھا اور ہر موضوع پر داد تحقیق دی لیکن اگر وہ اتنی پُر عظمت کتابیں نہ بھی لکھتے تب بھی صرف ان کا نعتیہ کلام ان کے نام کو زندہ رکھنے کے لئے کافی تھا۔ ان کا عشقِ رسول اور سوز و مستی میں ڈوبا ہوا کلام اقبال کے اس شعر کی حسین تفسیر ہے ؎

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر ۔۔۔ وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

اور آپ کے کلام کا اس سے زیادہ اور کیا اعجاز ہوگا کہ آج تک آپ کے نغماتِ نعت بے مثال سمجھے جاتے ہیں اور آپ ہی کے لکھے ہوئے درود و سلام منبر و محراب گونج رہے ہیں۔ آپ نے بے مثل و بے مثال کی مدح سرائی میں زبان کھولی تھی اس لئے خدائے قدوس نے آپ کے کلام کو بھی یکتا و بے نظیر کر دیا۔ احمد رضا خان کی شاعری عشق و مستی کے نئے نئے جہانوں کی موجد بن رہی ہے اور ان نو رسیدہ جہانوں کے افق پر محبت کے ایسے آفتاب و ماہتاب روشن ہیں جو پیچ در پیچ صدیوں کی تاریکیوں میں ہمیشہ ضوبار رہیں گے۔

اعلیحضرت کا ایک عظیم ترین کارنامہ اور علمی شاہکار قرآنِ حکیم کا اردو ترجمہ ہے جو کنز الایمان فی ترجمة القرآن کے نام سے موسوم ہے۔ تمام اردو تراجم قرآن سامنے رکھ لیجئے۔ اور اعلیحضرت کے ترجمہ کے ساتھ ان کا تقابلی مطالعہ کیجئے۔ آپ واضح ترین فرق و امتیاز محسوس کریں گے۔ اعلیحضرت کا ترجمہ لغوی، معنوی، ادبی اور علمی کمالات کا جامع ترین مرقع ہے۔ اسے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو عربیت اور قرآن فہمی کا کس قدر ملکہ حاصل تھا۔

کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن

کے محاسن

اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی برصغیر پاک و ہند کے وہ عظیم ترین مترجم ہیں، جنہوں نے انتہائی کدو کاوش سے قرآن حکیم کا ایسا ترجمہ پیش کیا ہے جس میں روح قرآن کی حقیقی جھلک موجود ہے۔ مقام حیرت و استعجاب ہے کہ یہ ترجمہ لفظی ہے اور با محاورہ بھی اس طرح گویا لفظ اور محاورہ کا حسین ترین امتزاج آپ کے ترجمہ کی بہت بڑی خوبی ہے۔ پھر انہوں نے ترجمہ کے سلسلہ میں بالخصوص یہ التزام بھی کیا ہے کہ ترجمہ لغت کے مطابق ہو اور الفاظ کے متعدد معانی میں سے ایسے معانی کا انتخاب کیا جائے جو آیات کے سیاق و سباق کے اعتبار سے موزوں ترین ہوں۔ اس ترجمہ سے قرآنی حقائق و معارف کے وہ اسرار و معارف منکشف ہوتے ہیں جو عام طور پر دیگر تراجم سے واضح نہیں ہوتے۔ یہ ترجمہ سلیس، شگفتہ اور رواں ہونے کے ساتھ ساتھ روح قرآن اور عربیت کے بہت قریب ہے۔ ان کے ترجمہ کی ایک نمایاں ترین خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ نے ہر مقام پر انبیاء علیہم السلام کے ادب و احترام اور عزت و عصمت کو بطور خاص ملحوظ رکھا ہے۔ ان کے ترجمۂ قرآن کے جملہ محاسن بیان کرنے کے لئے تو ایک ضخیم تصنیف کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس طرح ان تمام مقامات کو زیر بحث لانا پڑے گا جنہیں دوسرے تراجم کے مقابلہ میں امتیاز حاصل ہے۔ بخوف طوالت "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر صرف چند

مقامات کے ترجمہ کا دوسرے تراجم سے موازنہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ اہل بصیرت پر اس ترجمہ کی اہمیت وافادیت واضح ہو جائے۔

میں یہاں اس امر کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ میرا مقصد متقدمین کی مساعی کی عیب جوئی نہیں۔ اس موازنہ کا مقصد صرف اعلیحضرت مولانا احمد رضا خان کے فہم قرآن کا حقیقت پسندانہ اعتراف ہے اور بس۔ مجھے یقین ہے کہ قارئین میرے اسی جذبہ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس مضمون کا مطالعہ کریں گے۔ آئیے اب ذرا وہ چند مقامات دیکھیں جہاں اعلیحضرت کے ترجمہ کو میں نے نمایاں حیثیت کا حامل پایا ہے:

آیت نمبر ۱: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ (پارہ ۱)

ترجمہ محمود الحسن: "اس کتاب میں کچھ شک نہیں"

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی:

"یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔"

عربی محاورہ کے مطابق یہاں جنس ریب کی نفی ہے اور لفظ فی کا مدخول ظرف ہوتا ہے۔ کبھی زمان اور کبھی مکان تو اب معنی یہ ہو گا کہ قرآن مجید جنس ریب کا محل نہیں بنا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن میں کسی نے شک نہیں کیا حالانکہ دوسرے مقام پر ہے "وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا" اور اس سے واضح ہے کہ قرآن محل ریب بنا اور لوگوں نے اس میں ریب کیا ہے یہی وہ اشکال تھا جسے رفع کرنے کے لئے علامہ تفتازانی نے مطول میں اور علامہ بیضاوی نے اپنی تفسیر میں طویل عبارات لکھی ہیں لیکن اعلیحضرت مولانا احمد رضا خان نے ترجمہ کے چند الفاظ میں اشکال رفع کر دیا۔ ذرا ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:۔

"وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں"

ذرا "ذٰلِكَ" کے ترجمہ کا تقابلی مطالعہ بھی کیجئے، معمولی عربی دان بھی یہ جانتا

ہے کہ" ذٰلِکَ" اشارہ قریب نہیں اشارہ بعید ہے مگر افسوس ہے کہ اکثر مترجمین اس کا ترجمہ" یہ" کرتے ہیں، اعلیحضرت نے اسے اپنے اصل معنوں میں لے کر اسس کا ترجمہ" وہ" کیا ہے اور عبارت کا حسن بھی قائم رکھا ہے۔

آیت نمبر ۲: ——— یٰاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (پارہ ۱ رکوع ۳)

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ——— "اے لوگو بندگی کرو اپنے رب کی جس نے پیدا کیا تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔"

سب مترجمین اسس طرف گئے ہیں کہ لفظ" لَعَلَّ" بمعنی" لِکَیْ" ہے یعنی تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ لیکن علامہ بیضاوی نے اس کے متعلق فرمایا:۔

"لَمْ یثبت فی اللغۃ مثلہ"

"یعنی لغت میں اسس کی مثال ثابت نہیں۔"

پھر علامہ ممدوح نے فرمایا کہ یہ حال ہے ضمیر اعبدوا سے مطلب یہ ہوا کہ:

"اعبدوا راجین ان ینخرطوا فی سلک المتّقین۔"

"یعنی عبادت کرو، یہ امید کرتے ہوئے کہ تم متقیوں کی صف میں شامل ہو جاؤ"

اعلیحضرت مولانا احمد رضا خاں نے اسی استدلال کو اختیار فرما کر دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔

ترجمہ اعلیحضرت:

"اے لوگو اپنے رب کو پوجو جس نے تمہیں اور تم سے اگلوں کو پیدا کیا یہ امید کرتے ہوئے کہ تمہیں پرہیزگاری ملے۔"

آیت نمبر ۳ : ـــــــ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ (پارہ ۲ رکوع ۱)

ترجمہ مولانا محمود الحسن :- "اور نہیں مقرر کیا تھا ہم نے وہ قبلہ کہ جس پر تو پہلے تھا مگر اس واسطے کہ معلوم کریں کہ کون تابع رہے گا رسول کا اور کون پھر جائیگا اُلٹے پاؤں "

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی : ـــــــ "اور جس سمت قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں (یعنی بیت المقدس) وہ تو محض اس لئے تھا کہ ہم کو معلوم ہو جاوے کہ کون رسول (اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے کو ہٹتا جاتا ہے "

دونوں مترجمین نے " لِنَعْلَمَ " کے لغوی مفہوم کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس کا ترجمہ کیا ہے " معلوم کریں " اور " ہم کو معلوم ہو جائے "۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ لفظی ترجمہ اپنی جگہ درست ہے، مگر اس سے یہ عجیب تاثر پیدا ہوتا ہے کہ معاذ اللہ ایک چیز خدائے علیم و خبیر کو معلوم نہ تھی اور اس آزمائش میں ڈال کر وہ اسے معلوم کرنا چاہتا تھا ظاہر ہے کہ " معلوم ہو جائے " کی نسبت خدا سے کسی طرح درست نہیں ہو سکتی۔ قرآن کے منشاء اور اندازِ بیان کی تفہیم کے لئے لفظی ترجمہ کی بجائے کہیں کہیں ترجمانی کا رنگ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اب دیکھیئے کہ اعلیٰحضرت مترجم کے اس اہم فرض سے کس طرح عہدہ برآ ہوتے ہیں۔ اعلیٰحضرت نے متذکرہ آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے :-

"اور اے محبوب تم پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے وہ اسی لئے مقرر کیا تھا کہ دیکھیں کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے "

آیت نمبر ۴: ــــــــ "اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ" (پارہ ۲ رکوع ۵)

آیۂ زیر نظر میں "اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ" کے الفاظ برصغیر پاک و ہند کے دو مکاتیبِ فکر (بریلی اور دیوبند) کے درمیان مابہ النزاع بن کر رہ گئے ہیں اس سے دیوبندی مکتبۂ فکر یہ مطلب اخذ کرتا ہے کہ جس جانور کو بھی غیر اللہ کے نام سے منسوب کر دیا جائے پھر چاہے ذبح کے وقت اس پر اللہ کا نام بھی پڑھا جائے وہ جانور حرام ہو جائے گا۔ یہ مکتبۂ فکر اس معاملہ میں انتہائی متشدد ہو گیا ہے۔ بریلوی مکتبۂ فکر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ آیت صرف اسی مذبوحہ جانور کو حرام کہتی ہے جس پہ ذبح کرتے وقت اللہ کی بجائے غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ اصل میں سارا نزاع لفظ "اُهِلَّ" سے پیدا ہوا۔ بریلوی حضرات کے نزدیک اهلال کے معنی ہیں "رفع الصوت عند الذبح" جب کہ دیوبندی حضرات اسے مطلق منسوب کرنے کے معنوں میں لیتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ نزاع مولانا اشرف علی تھانوی کی جدت سے پیدا ہوا ہے۔ انہوں نے آیت زیر نظر کا ترجمہ یوں کیا ہے :۔

"اللہ تعالیٰ نے تو تم پر صرف حرام کیا ہے مردار کو اور خون کو (جو بہتا ہو) اور خنزیر کے گوشت کو (اسی طرح اس کے سب اجزاء کو بھی) اور ایسے جانور کو جو (بقصد تقرب) غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو۔"

اس "اهلال" کے لئے صاف نامزد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ لغت جس کی تائید نہیں کر سکتی۔ مولانا تھانوی کے بعد ان کے گروہِ فکر کے تمام مترجمین حتیٰ کہ مولانا عبدالماجد دریا آبادی بھی "اهلال" کے لئے یہی نامزد کا لفظ استعمال کرتے ہیں جیسے یہ لغت کا مستند ترجمہ ہے۔ میں نے اس سلسلہ میں امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ترجمہ دیکھا آپ جانتے ہیں کہ قرآن کا دوسری زبانوں میں ترجمہ پیش کرنے والوں میں حضرت شاہ ولی اللہ کو اولیت کا شرف حاصل ہے آپ بھی زیر بحث آیت میں ان کا ترجمہ دیکھئے اور پھر خود ہی اندازہ

کیجئے کہ ان کے اور مولانا تھانوی کے تراجم میں کتنا واضح اختلاف ہے۔ شاہ صاحب کا ترجمہ حسب ذیل ہے :-

"جز ایں نیست کہ حرام کردہ است بر شما مردار را و خون را و گوشتِ خوک را و آنچہ آواز بلند کردہ شود در ذبح وے بغیر خدا"

آپ دیکھ رہے ہیں کہ شاہ صاحب نے "اھلال" کا ترجمہ نامزد وغیرہ نہیں کیا بلکہ صاف الفاظ ہیں "آواز بلند کردہ شود در ذبح وے" لکھا ہے اور یہ ترجمہ بالکل وہی ہے جو اعلیحضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے پیش کیا ہے ان کے الفاظ بھی ملاحظہ فرمالیجیے :-

"اس نے یہی تم پر حرام کئے ہیں مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا۔"

آیت نمبر ۵ :— وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ۝

(پارہ ۳ - رکوع ۱۳)

ترجمہ مولانا محمود الحسن :— "اور مکر کیا ان کافروں نے اور مکر کیا اللہ نے اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے۔"

مکر کے لغوی معنی خفیہ تدبیر کرنے کے ہیں مگر اردو میں یہ لفظ دھوکہ اور فریب جیسی متبذل صفات کے اظہار کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ سوچیے کہ خدا کی ذات سے "مکر" اور "داؤ" جیسے الفاظ کا استعمال کس قدر سوء ادبی کا متحمل ہے۔ اب ذرا اعلیحضرت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے :-

"اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر چھپی تدبیر والا ہے۔"

آیت نمبر ۶ : ـــــــ وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ جَاھَدُوْا مِنْکُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ (پارہ ۴ رکوع ۵)

ترجمہ مولانا محمود الحسن : ـــــــ " اور ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے جو لڑنے والے ہیں تم میں اور معلوم نہیں کیا ثابت رہنے والوں کو۔"

ترجمہ سے یوں ظاہر ہوتا ہے جیسے خدا کو پہلے کسی بات کا علم نہیں تھا اور یہ چیز خدا کے عالم الغیب ہونے کے سراسر منافی ہے ۔ اس لئے اعلیحضرت نے ایسا انداز بیان اختیار کیا ہے کہ کسی ذہن میں کسی قسم کا اعتراض پیدا ہو ہی نہیں سکتا اعلیٰحضرت مندرجہ بالا آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں :۔

" اور ابھی اللہ نے تمہارے غازیوں کا امتحان نہ لیا اور نہ صبر والوں کی آزمائش کی ۔"

آیت نمبر ۷ : ـــــــ " اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ ج (پارہ ۵ رکوع ۱۸)

ترجمہ مولانا محمود الحسن : ـــــــ " البتہ منافق دغابازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا ۔"

" دغا " کا لفظ کس قدر رکیک لفظ ہے ؟ اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں اور جب اس لفظ کو خدا کی ذات اقدس واعظم سے منسوب کیا جائے تو اعدائے دین کو زبان طعن دراز کرنے کا موقع مل جاتا ہے ۔ اعلیٰحضرت نے کس احتیاط سے یہاں ترجمانی کے فرائض نبھائے ہیں ۔ ملاحظہ کیجئے :۔

" بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دیا چاہتے ہیں اور وہی انہیں غافل کر کے مارے گا ۔"

آیت نمبر ۸ :—— "اَفَاَمِنُوْا مَکْرَ اللّٰہِ ۚ فَلَا یَاْمَنُ مَکْرَ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ٥" (پارہ ۹ رکوع ۲۴)

ترجمہ مولانا محمود الحسن :—— "کیا بے ڈر ہو گئے اللہ کے داؤ سے سو بے ڈر نہیں ہوتے اللہ کے داؤ سے مگر خرابی میں پڑنے والے"

اس آیت کے ترجمہ میں بھی مکر کو داؤ سے تعبیر کیا گیا ہے جو نہ صرف اس کے لغوی مفہوم کے خلاف ہے بلکہ اس سے شکوک و شبہات اور اعتراضات کے دروازے بھی کھل جاتے ہیں۔ اعلیحضرت کا محتاط اور متکلمانہ ترجمہ ملاحظہ کیجئے :۔

"کیا اللہ کی خفی تدبیر سے بے خبر ہیں تو اللہ کی خفی تدبیر سے نڈر نہیں ہوتے مگر تباہی والے"

آیت نمبر ۹ :—— "وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ ؕ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ ٥" (پارہ ۹ رکوع ۱۸)

ترجمہ مولانا محمود الحسن :—— "اور وہ بھی داؤ کرتے تھے اور اللہ بھی داؤ کرتا تھا اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے"۔

مولانا محمود الحسن نے یہاں بھی "مکر" کو "داؤ" کے معنوں میں استعمال کیا ہے مگر اعلیحضرت نے صحیح لغوی مفہوم کو ترجمہ میں شامل کر کے سارے شکوک و شبہات دور کر دیئے۔ اعلیحضرت کا ترجمہ درج ذیل ہے :۔

"اور وہ اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر"۔

آیت نمبر ۱۰ :—— "نَسُوا اللّٰہَ فَنَسِیَھُمْ" (پارہ ۱۰ رکوع ۱۵)

ترجمہ مولانا محمود الحسن :—— "بھول گئے اللہ کو سو وہ بھول گیا ان کو"۔

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی :—— "انہوں نے خدا کا خیال نہ کیا پس خدا نے ان کا خیال نہ کیا۔

"تنسیٰ" کے معنی بالارادہ اور بے ارادہ بھول جانے کے بھی ہیں اور نظر انداز کرنے اور چھوڑ دینے کے بھی۔ مترجم کا فرض ہے کہ وہ ترجمہ کرتے ہوئے خدا کی شان اور عظمت کو ضرور پیش نظر رکھے۔ مولانا محمود الحسن ــــــــــــــ نے "بھول جانے" کے الفاظ خدا سے منسوب کئے ہیں۔ جن سے یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ معاذاللہ خدا کو بھی نسیان لاحق ہو سکتا ہے اس کے برعکس اعلیٰحضرت بریلوی کا ترجمہ زیادہ واضح ہے انہوں نے لغت سے ایسا مفہوم لیا ہے جو شانِ خداوندی کے خلاف نہیں۔ اعلیٰحضرت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:۔

"وہ اللہ کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ نے انہیں چھوڑ دیا"

آیت نمبر ۱۱ ــــــ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا (پارہ ۱۱ رکوع ۸)

ترجمہ مولانا محمود الحسن :۔ "کہہ دے کہ اللہ سب سے جلد بنا سکتا ہے حیلے"

آیت زیر نظر میں مولانا محمود الحسن نے مکر کے معنی "حیلہ" کئے ہیں۔ جس کی خدا سے نسبت کسی طرح بھی جائز نہیں، ان کے برعکس اعلیٰحضرت بریلوی نے صحیح لغوی مفہوم استعمال کیا ہے اور معترض ذہنوں کے اشکالات رفع کر دیئے ہیں۔ ان کا ترجمہ درج ذیل ہے :۔

"تم فرما دو، اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے جلد ہو جاتی ہے۔"

آیت نمبر ۱۲ ــــــ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا (پارہ ۱۲ رکوع ۱۳)

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی : ــــــ "اور اس عورت کے دل میں تو ان کا خیال جم ہی رہا تھا اور ان کو بھی اس عورت کا کچھ خیال ہو چلا تھا"

ترجمہ مولانا محمود الحسن : ــــــ "اور البتہ عورت نے فکر کیا اس کا اور اس نے فکر کیا عورت کا"

زیر نظر آیت کے تراجم پر غور کیجئے ایک تو تھانوی صاحب کا ترجمہ ترجمہ نہیں، ترجمانی

کا رنگ اختیار کر گیا ہے دوسرے تھانوی صاحب اور محمود الحسن صاحب کے تراجم سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ زلیخا تو بدکاری پر آمادہ تھی ہی معاذ اللہ یوسف علیہ السلام بھی آمادہ ہو گئے تھے ، حالانکہ یہ اجماعی عقیدہ عصمت انبیاء کی صریح مخالفت ہے ان حضرات نے ترجمہ کرتے ہوئے " هَمَّ بِهَا " کے بعد آنے والے " لَوْ " کے حرفِ شرط کو منقطع کر دیا ہے حالانکہ یہ متصل ہے ۔ اعلیٰحضرت بریلوی کے ترجمہ میں یہی خوبی ہے کہ انہوں نے حرفِ شرط کو متصل کر کے عصمت انبیاء کے اجماعی عقیدہ کی تائید بھی کر دی ہے ۔ ترجمہ لفظی بھی ہے اور کوئی لفظ زائد استعمال نہیں ہوا اگر دشمنانِ اسلام کو اعتراض کا موقعہ بھی نہیں ملا ۔ اعلیٰحضرت کا ترجمہ درج ذیل ہے :۔

" اور بے شک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا
ارادہ کرتا اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا ۔"

آیت نمبر ۱۳ ——— " كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ " (پارہ ۱۳ رکوع ۳)

ترجمہ مولانا محمود الحسن : " یوں داؤ بتا دیا ہم نے یوسف کو "

ترجمہ اعلیٰحضرت احمد رضا خان :——— " ہم نے یوسف کو یہی تدبیر بتائی "

" کید " کا لفظ عربی زبان میں خفیہ تدبیر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اسے داؤ اور فریب کے معنوں میں بھی لیا جاتا ہے مگر جب اس کی نسبت خدائے قدوس کی طرف ہو تو اس کا ترجمہ داؤ یا فریب کرنا سراسر توہین باری تعالیٰ ہے ۔ اب دیکھئے کہ اول الذکر ترجمہ سے کتنے دریدہ دہنوں کو قرآن کریم پر زبانِ اعتراض دراز کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے اور ثانی الذکر ترجمہ ایسا حسین ہے کہ کسی قسم کے اعتراض کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔

آیت نمبر ۱۴ ——— قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ ۝ پارہ ۱۳ رکوع ۵

ترجمہ مولانا محمود الحسن :——— " لوگ بولے قسم اللہ کی تو تو اپنی اسی قدیم غلطی میں ہے "

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی :——— " وہ (پاس والے) کہنے لگے کہ بخدا آپ تو اپنے اسی پرانے

غلط خیال میں مبتلا ہیں "۔

ترجمہ اعلیٰحضرت بریلوی: ———— " بیٹے بولے خدا کی قسم آپ اپنی اسی پرانی خود رفتگی میں ہیں "۔

حضرت یعقوب علیہ السلام جب کہتے ہیں کہ انہیں پیراہن یوسف کی خوشبو آرہی ہے تو جواب میں جو کچھ کہا جاتا ہے اس کے سلسلۂ کلام سے پوری صراحت ہو جاتی ہے کہ "قَالُوْا" کا اشارہ ان کے بیٹوں کی طرف ہے اور یہ الفاظ ان کے بیٹوں نے ہی کہے تھے۔ سیاق میں کہیں کوئی ادنیٰ سا اشارہ بھی ایسا نہیں ملتا جس سے معلوم ہو کہ اس وقت بیٹوں کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی بیٹھے تھے لیکن مولانا محمود الحسن نے نہ معلوم کس خیال کے تحت اس قول کو دوسرے لوگوں سے منسوب کر دیا۔ ان کی اتباع میں تھانوی صاحب نے بھی " وہ (پاس والے) کہنے لگے " لکھ کر اس قول کو بیٹوں کی بجائے دوسرے لوگوں سے منسوب کر دیا (پاس والے) کا اضافہ معلوم نہیں کیوں ضروری سمجھا گیا۔ ان حضرات کے برعکس اعلیٰحضرت بریلوی نے قرآن کے سیاق و سباق کے عین مطابق " قَالُوْا " کا ترجمہ "بیٹے بولے" کیا ہے۔

علاوہ ازیں آیت زیر نظر میں " ضَلٰلِكَ " کا لفظ آیا ہے۔ جس کے ترجمہ میں واضح اختلاف ہے۔ مولانا محمود الحسن نے اس کا ترجمہ " غلطی " کیا ہے۔ تھانوی صاحب نے اسے " غلط خیال " لکھ دیا ہے مگر سوال یہ ہے کہ " ضلالت " کو " غلطی " کے معنوں میں استعمال کرنے کی کوئی نظیر بھی ملتی ہے یہ ٹھیک ہے کہ ان حضرات نے " گمراہی " کی بجائے " غلطی " کا لفظ محض اس لئے لگایا ہے کہ پیغمبر کو گمراہ کہنا اس کی شان کے شایاں نہیں۔ مگر ترجمہ کے لئے لغت کی تائید بھی تو ضروری ہے۔ ان کے مقابلہ میں فاضل بریلوی کا ترجمہ دیکھئے انہوں نے اس کا ترجمہ " خود رفتگی " کیا ہے۔ لفظ " خود رفتگی " ایک طرف تو ادبی محاسن کا مرقع ہے۔ دوسری طرف اس سے محبت و شیفتگی کے تمام جذبات کا اظہار ہو جاتا ہے اور بیٹے

یہ لفظ اگر یعقوب علیہ السلام کے حق میں استعمال کرتے ہیں تو نازیبا بھی نہیں پھر لغت بھی اس کی مکمل تائید کرتی ہے خود قرآن حکیم میں اس کی نظیر موجود ہے، خدائے قدوس نے حضور سرورِ کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى اس آیت میں حضور کو "ضَآلًّا" کہا گیا ہے جو حضرات آیت موضوعِ بحث میں "ضلالت" کے معنی غلطی کرتے ہیں، اس طرح اس جگہ بھی ان کے یہاں اسی قسم کا ترجمہ ہوگا آپ جانتے ہیں کہ نبی معصوم کے حق میں اس قسم کے الفاظ کا استعمال کتنی بڑی سوء ادبی ہے مگر اس چیز کی پرواہ کئے بغیر مولانا محمود الحسن نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے:۔

"اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ سجھائی"

گویا معاذ اللہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھٹکے ہوئے تھے حالانکہ یہ بات امت کے اجماعی عقیدہ کے خلاف ہے، اعلیحضرت بریلوی نے یہاں بھی وہی ترجمہ کیا ہے جو شانِ نبوت کے شایاں ہے اور آپ نے لکھا ہے کہ:۔

"اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی"

چونکہ مذکورہ بالا دونوں آیات میں "ضلالت" کی نسبت انبیاء کی طرف تھی اس لئے آپ نے اس کا ترجمہ خود رفتگی کیا ہے جو محبت کے انتہائی مقام کو ظاہر کرتا ہے، اس آیت .... (وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى) سے متعلق مستقل بحث اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں:۔

آیت نمبر ۱۵: —— حَتّٰى اِذَا اسْتَايْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا (پارہ ۱۳ رکوع ۶)

ترجمہ مولانا اشرف علی: —— "یہاں تک کہ پیغمبر (اس بات سے) مایوس ہوگئے اور ان پیغمبروں کو گمان غالب ہوگیا کہ ہمارے فہم نے غلطی کی"

ترجمہ مولانا محمود الحسن: —— "یہاں تک کہ جب ناامید ہونے لگے رسول اور خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا"

زیرِ نظر تراجم پر نظر ڈالیئے سب سے پہلے جو چیز ابھر کر سامنے آتی ہے وہ ـــــ
"اِذَا اسْتَايْئَسَ الرُّسُلُ" کا ترجمہ مولانا تھانوی صاحب نے صاف لکھ دیا کہ پیغمبر تائید ربانی سے مایوس ہو گئے حالانکہ انبیاء کرام کا تائید خداوندی سے مایوس ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انہیں اللہ تعالیٰ کے وعدوں کا پورا الیقین ہوتا ہے اور یہ یقین ایسا پختہ ہوتا ہے کہ کوئی قوت اسے متزلزل نہیں کر سکتی۔ مولانا محمود الحسن نے "مایوس ہو گئے" کی متذکرہ بالا صورت سے بچنے کے لئے "نا امید ہونے لگے" لکھا ہے گویا نا امیدی کا صدور تو نہ ہوا لیکن نا امید ہونے والے ضرور تھے اس میں بھی پیغمبروں کی تائید ربانی سے مایوس ہونے کا امکان بڑا واضح ہے۔

اب ذرا اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خان کے ترجمہ کو دیکھئے انہوں نے لکھا ہے:۔

"یہاں تک جب رسولوں کو ظاہری اسباب کی امید نہ رہی اور لوگ سمجھے کہ رسولوں نے ان سے غلط کہا تھا"۔

ترجمہ کتنا قریب حقیقت ہے۔ عربیت بھی برقرار رہی اور منشائے خداوندی کا بھی اظہار ہو گیا کہ اس کی تائید ایسے وقت نمودار ہو جاتی ہے جب ظاہری اسباب منقطع ہو جاتے ہیں۔ مولانا تھانوی اور مولانا محمود الحسن کے تراجم سے اعدائے اسلام کو یہ پچ نکالنے کا موقع ملتا ہے کہ جب انبیاء کو بھی تائید خداوندی پر یقین نہیں تھا تو عام مسلمان کیسے اس پر یقین رکھ سکتے ہیں لیکن اعلیٰ حضرت کے ترجمے نے یہ اشکال پیدا ہی نہیں ہونے دیا۔

اس آیت کے ترجمہ میں دوسری قابل غور بات "ظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ قَدْ كُذِبُوْا" کا ترجمہ ہے۔ مولانا محمود الحسن اور مولانا تھانوی کے تراجم سے صاف عیاں ہے کہ انبیاء مایوسی کے عالم میں یہ خیال کرنے لگے کہ ان سے خدا نے تائید و نصرت کے جو وعدے فرمائے تھے وہ معاذ اللہ سب جھوٹے تھے۔ اور یہ چیز یں شانِ نبوت کے صریحاً خلاف ہے۔ انبیاء کو اگر وعدہ خداوندی کی صداقت پر یقین نہیں تھا تو پھر اور کسے ہوگا۔ یہاں بھی اعلیٰحضرت بریلوی کا ترجمہ

امتیازی حیثیت رکھتا ہے انہوں نے "ظَنُّوْٓا" کی ضمیر جمع غائب کا مرجع انبیاء کو نہیں بلکہ "لوگوں" کو ٹھہرایا ہے۔ اس طرح ہر قسم کے اشکالات ترجمہ میں ہی رفع ہو گئے۔

آیت نمبر ۱۶ :—— وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ط (پارہ ۱۳ رکوع ۱۲)

ترجمہ مولانا محمود الحسن :—— "اور فریب کر چکے ہیں جو ان سے پہلے تھے، سو اللہ کے ہاتھ میں ہے سب فریب"

اس آیت میں مکر کو فریب کے معنی میں لے کر "سارا فریب" خدا کے ہاتھ میں دیدیا گیا ہے۔ اس طرح عام لوگ یہ مفہوم اخذ کر سکتے ہیں کہ العیاذ باللہ سب سے بڑا فریب کار خود خدائے قدوس ہے لیکن اعلیٰحضرت بریلوی کا ترجمہ ہر شبہ کا مسکت جواب ہے۔ اعلیٰحضرت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے :۔

"اور ان سے اگلے فریب کر چکے ہیں تو ساری خفیہ تدبیر کا مالک تو اللہ ہی ہے"

آیت نمبر ۱۷ :—— قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ط (پارہ ۱۴ رکوع ۵)

ترجمہ مولانا محمود الحسن :—— "بولا یہ حاضر ہیں میری بیٹیاں اگر تم کو کرنا ہے"

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی :—— "لوط نے فرمایا کہ یہ میری (بہو) بیٹیاں موجود ہیں اگر تم (میرا کہنا کرو)"

ترجمہ اعلیٰحضرت بریلوی :—— "کہا یہ قوم کی عورتیں میری بیٹیاں ہیں اگر تمہیں کرنا ہے"

آیت کا پس منظر یہ ہے کہ جب فرشتے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آتے ہیں اور کفار اپنے شوق لواطت میں ان کے پیچھے دوڑے آتے ہیں اور ان کے حصول کا تقاضا کرتے ہیں تو حضرت لوط علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں " هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ط" اب ذرا اس آیتِ مقدسہ کے ان تراجم پر غور کیجئے۔ پہلے دونوں

تراجم سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جناب لوط علیہ السلام نے اپنے مہمانوں کو بچانے کے لئے اپنی بیٹیاں پیش کردی تھیں حالانکہ یہ بات ایک اولوالعزم پیغمبر تو کجا کسی بھی شریف آدمی کو زیب نہیں دیتی۔ مہمانوں کو بچانے کے لئے جان تو قربان کردی جاسکتی ہے لیکن عزت اور غیرت کی قربانی گوارا نہیں کی جاسکتی۔ ان تراجم کے برعکس ذرا اعلیٰحضرت بریلوی کا ترجمہ دیکھئے آپ نے کس حسنِ ادا سے تمام اعتراضات صرف ترجمہ ہی میں ختم کردیئے ہیں۔ قوم کا سردار قوم کے تمام افراد کا باپ ہوتا ہے اس طرح انہیں شرم دلانے کے لئے یہ فرما رہے ہیں کہ تمہاری اپنی بیویاں موجود ہیں جو جنسی خواہش کی تسکین کا جائز ذریعہ ہیں۔ ان کی بیویوں کو اپنی بیٹیاں کہہ کر کلام میں انتہائی زور پیدا کیا گیا تھا لیکن مترجمین نے نزاکت الفاظ اور بلاغت بیان کو نظر انداز کرتے ہوئے ایسا ترجمہ کیا کہ خود دامنِ نبوت پر اعتراضات کے چھینٹے پڑ گئے۔

آیت نمبر ۱۸:——— وَعَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی ﳖ (پارہ ۱۶ رکوع ۱۶)

ترجمہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی:——— "اور آدم نے نافرمانی کی اپنے رب کی پس گمراہ ہوئے۔"

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کے ترجمہ میں حضرت آدم علیہ السلام سے دو باتیں منسوب ہوگئی ہیں۔ (۱) نافرمانی (۲) گمراہی۔ اور یہ دونوں افعال عصمت انبیاء کے نقیض ہیں۔ اس کے مقابلہ میں اعلیٰحضرت بریلوی نے قرآن کی صحیح ترجمانی کی ہے۔ لغت کے خلاف بھی نہیں گئے اور عصمتِ انبیاء پر بھی حرف نہیں آنے دیا۔ اعلیٰحضرت کا ترجمہ پڑھئے:-

"اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب
چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی۔"

آیت نمبر ۱۹:——— فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ (پارہ ۱۷ رکوع ۶)

ترجمہ مولانا محمود الحسن: "پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اس کو۔"

اس آیت میں مولانا محمود الحسن نے "نہ پکڑ سکیں گے اس کو" کے جو الفاظ لکھ دیئے ہیں ان سے یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ غالباً یونس علیہ السلام کا خیال تھا کہ خدا کی ذات ان پر

قابو نہ پا سکے گی۔ ان جیسے جلیل القدر پیغمبر کے متعلق تو کجا کسی عام مسلمان کے متعلق بھی یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے مقابلہ میں خدا کی گرفت کو عاجز او درماندہ خیال کرے مگر اعلیحضرت کا ترجمہ بلاحظہ فرمائیے:

"تو گمان کیا دیونس علیہ السلام نے) کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں گے"۔ اعلیحضرت کے الفاظ دیکھئے "ہم اس پر تنگی نہ کریں گے"۔ کتنے حسین الفاظ میں حقیقی مفہوم ادا کیا ہے ایک محب اپنی محبت کے زعم میں یقیناً یہ خیال کر سکتا ہے کہ محبوب ازل اسے کسی تنگی میں مبتلا نہیں کریگا۔ پھر یہ خیال کیجئے کہ اعلیحضرت بریلوی نے اپنی زبان قرآن کے منہ میں رکھ کر یہ ترجمہ کر دیا ہے کہ خود قرآن ان کے ترجمہ کی صحت کا ثبوت مہیا کرتا ہے۔

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ (پارہ ۲۰ رکوع ۱۱)

"اللہ رزق وسیع کرتا ہے اپنے بندوں میں جس کے لئے چاہے اور تنگی فرماتا ہے"۔

آیت نمبر ۲۰ :—— قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ؕ (پارہ ۱۹ رکوع ۶)

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی :—— "موسیٰ نے جواب دیا کہ (واقعی) اس وقت وہ حرکت میں کر بیٹھا تھا اور مجھ سے بڑی غلطی ہو گئی تھی"۔

"ضلالت" کے ایک معنی راہ سے بے خبر ہونے کے بھی ہیں، آیت زیر نظر میں "ضالین" کا لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے مگر مولانا اشرف علی تھانوی نے اسے "بڑی غلطی" کا مفہوم دے دیا۔ اس طرح موسیٰ علیہ السلام کی عصمت پر حرف آگیا۔ اب اعلیحضرت کا ترجمہ پڑھیئے:۔

"موسیٰ نے فرمایا میں نے وہ کام کیا جب کہ مجھے راہ کی خبر نہ تھی"۔

آیت نمبر ۲۱ :—— وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا (پارہ ۱۹ رکوع ۱۹)

ترجمہ مولانا محمود الحسن :—— "اور انہوں نے بنایا ایک فریب اور ہم نے بنایا ایک فریب"۔

آیت زیر نظر میں بھی مولانا محمود الحسن نے "مکر" کو فریب کے معنوں میں استعمال کیا ہے اور پھر اسے اللہ کی ذات سے نسبت دی ہے ان کے مقابلہ میں اعلیحضرت بریلوی نے مکر کو خفیہ تدبیر کے معنوں میں لے کر خدا کی تنزیہہ کو برقرار رکھا۔ اعلیحضرت بریلوی

کا ترجمہ درج ذیل ہے :-

"اور انہوں نے اپنا سا مکر کیا اور ہم نے اپنی خفیہ تدبیر فرمائی"

آیت نمبر ۲۲ :۔ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ط

(پارہ ۲۶ رکوع ۶)

ترجمہ مولانا محمود الحسن :۔ "اور معافی مانگ اپنے گناہ کے واسطے اور ایمان دار مردوں اور عورتوں کے لئے"

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی :۔ "اور آپ اپنی خطا کی معافی مانگتے رہیئے اور سب مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے لئے بھی"

مولانا محمود الحسن اور مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنے ترجموں میں لیسے الفاظ استعمال کئے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ خطا کار بنا ڈالا۔ ذرا غور کیجئے ان غیر محتاط تراجم کے مطالعہ سے ایک عام مسلمان یا ایک غیر مسلم کیا تاثر لے سکتا ہے یہی کہ معاذ اللہ خود حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دامن بھی خطاؤں سے پاک نہ تھا کیا یہ تراجم دشمنانِ اسلام کے ہاتھ میں اسلام اور اہل اسلام کے خلاف ایک مضبوط ہتھیار تھما دینے کے موجب نہیں ہوں گے۔ کیا ان تراجم سے عصمتِ انبیاء کا مسلمہ عقیدہ مجروح نہیں ہوتا۔ ان تراجم کے مقابلہ میں اعلیحضرت بریلوی کا ترجمہ ایمان وعرفان اور علم وتحقیق کا ایک حسین مرقع ہے۔ انہوں نے خدائے قدوس کے کلام پاک کے شایانِ شان ترجمہ کر کے حضور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام محبوبیت اور عظمت مصطفویت کو کتنے عمدہ پیرایہ میں اجاگر کیا ہے اور کسی طویل تفسیر کے بغیر ترجمہ میں ہی ساری بات واضح کر دی ہے کہ "مومنین و مومنات" سے عام مسلمان مرد و زن مراد ہیں اور "ذنبک" میں امتِ مسلمہ کے خواص کی طرف اشارہ ہے جن کے لئے حضور کو شفاعت و مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں معاذ اللہ حضور کی خطاؤں کا ذکر نہیں کیونکہ آپ کی ذات معصوم اور پاک ہے جن کی زبان وحی ترجمان اور جن کا سینہ

الم نشرح کا گنجینہ ہو جو شفیع المذنبین ہوں جن کے معاملہ کو خدا اپنا معاملہ اور جن کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ فرمائے ان کے متعلق گناہ و خطا کی نسبت کا تصوّر بھی گناہ اور خطا ہے:۔

ع یہ سوءِ ظن ہے ساقیٔ کوثر کے باب میں

اب اعلیحضرت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:۔

"اور اے محبوب اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو"

آیت نمبر ۲۳:—— اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ۙ لِّيَغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (پارہ ۲۶ رکوع ۹)

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی:—— "بیشک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دے"

ترجمہ مولانا محمود الحسن:—— "ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تا کہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے"

یہاں بھی مترجمین نے خطاؤں کو حضور کی ذات سے منسوب کر دیا۔ ان غیر محتاط مترجمین کے تراجم سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ معاذ اللہ حضور سے پہلے بھی گناہ سرزد ہوتے رہے اور بعد میں بھی اور خدا نے اس آیت میں ان کی بخشش کا وعدہ فرمایا ہے لیکن اعلیحضرت کے محتاط قلم نے عصمتِ انبیاء کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسا ایمان افروز ترجمہ کیا ہے جو ان کے عدیم المثال فہم قرآن پر دلالت کرتا ہے۔ اعلیحضرت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:۔

"بیشک ہم نے تمہارے لئے روشن فتح فرما دی تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے"

اس آیت کے تفسیری حاشیہ میں مولانا نعیم الدین مرادآبادی، تفسیر خازن اور تفسیر

روح البیان کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:۔

"یعنی تمہاری بدولت امت کی مغفرت فرمائے"

آیت نمبر ۲۴: —— وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ﴿۱﴾ (پارہ ۲۷ رکوع ۷)

ترجمہ مولانا محمود الحسن: —— "قسم ہے تارے کی جب گرے"

مولانا محمود الحسن کے ترجمہ میں ستارے گرنے کا بیان ہے جس کی کنہ اور حقیقت تک پہنچنا عام قاری کے لئے ناممکن نہیں تو مشکل ہے

نیز اس ترجمہ سے کلامِ خداوندی کی جامعیت و بلاغت اور مقامِ مصطفیٰ کی رفعت و عظمت بھی واضح نہیں ہوتی لیکن اعلیٰحضرت کا ترجمہ ایسا جامع، واضح اور بلیغ ہے کہ کوئی انصاف پسند اہل ذوق اس کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ترجمہ انتہا درجہ کی عقیدت و محبت کا مرقع نظر آتا ہے۔ "نجم" کے مطلب کے ساتھ اس کی مراد بھی واضح کر دی گئی ہے چونکہ سورہ النجم میں حضور کی سیرِ آسمانی (معراج جسمانی) کا ذکر ہے۔ اس لئے (متذکرہ ترجمہ کے مطابق) ذکرِ معراج سے ہی ابتداء کی گئی ہے اس طرح حضور کی جلالت و عظمت نمایاں ہو جاتی ہے جسے ایک عام قاری بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے اور یہی تفسیر حضرت امام جعفر سے منقول ہے (کما فی المظہری والمعالم وغیرہما) متذکرہ آیت کا ترجمہ اعلیٰحضرت بریلوی نے اس طرح کیا ہے:۔

"اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے"۔

آیت نمبر ۲۵: —— وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِىْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (پارہ ۲۸ رکوع ۲۰)

ترجمہ مولانا محمود الحسن: —— "اور مریم بیٹی عمران کی جس نے روکے رکھا اپنی شہوت کی جگہ کو"

ترجمہ اعلیٰحضرت بریلوی: "اور عمران کی بیٹی مریم جس نے اپنی پارسائی کی حفاظت کی"۔

یہ آیت حضرت مریم کی عصمت و تقدیس کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہے۔ اب دونوں تراجم پر نظر ڈالئیے۔ مولانا محمود الحسن کا ترجمہ بلاشبہ درست لفظی ترجمہ ہے لیکن ہر زبان کا اپنا اپنا انداز و اسلوبِ بیان ہوتا ہے، مترجم کا فرض یہ ہے کہ وہ اصل زبان کا صحیح مفہوم سمجھ کر اسے اس زبان کے اسلوبِ بیان میں ڈھالے جس میں وہ عبارت کو منتقل کر رہا ہے۔ عربی زبان میں "حصن" کا لفظ محفوظ کرنے، روکنے اور قلعہ کے معنوں میں آتا ہے لیکن یہ تمام معانی اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ اس کے بنیادی معنی حفاظت کے ہیں۔ اعلیٰحضرت بریلوی نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے "فرج" کے لفظی معنی بلاشبہ جائے شہوت ہیں لیکن اردو میں یہ لفظی ترجمہ کچھ زیب نہیں دیتا۔ اعلیٰحضرت بریلوی نے جو مرادی ترجمہ کیا ہے اسمیں عربی کی اصل روح بھی برقرار ہے اور اردو زبان کا احترام پسندانہ اسلوب بھی قائم ہے۔

آیت نمبر ۲۶:— وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ (پارہ ۳۰ سورہ الضحیٰ)

ترجمہ مولانا محمود الحسن:— "اور پایا تجھ کو بھٹکتا، پھر راہ سجھائی"

مولانا محمود الحسن کے ترجمہ میں لفظ "بھٹکنا" قابلِ غور ہے، اردو زبان کی سب سے بڑی لغت "جامع اللغات" میں اس لفظ کے یہ معنی لکھے ہیں "گمراہ ہونا۔ آوارہ پھرنا" ایک طرف خدا کا ارشاد ہے۔ "مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝ (پارہ ۲۷ رکوع ۵) (تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے) پھر انکے متعلق یہ فرمانا کہ "ہم نے تجھے بھٹکتا پایا" مترجم نے ایک لفظی معنی کے پیچھے پڑ کر یہ نہ سوچا کہ انکے قلم سے کس عظیم القدر ہستی کا دامنِ عصمت چاک ہو رہا ہے۔ ایک لفظ کے ہر جگہ ایک ہی معنی نہیں ہوتے۔ اس آیت میں "ضال" کے معنی بے پناہ محبت کرنے اور محبت میں محو یا خود رفتہ ہونے کے ہیں۔ قرآن حکیم میں حضرت یعقوب علیہ السلام سے متعلق جو "ضال" کا لفظ آیا ہے "اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ۝ (پارہ ۱۳ رکوع ۵) اس کا بھی دراصل یہی مفہوم ہے کہ آپ بڑے عرصہ سے یوسف علیہ السلام کی محبت میں بہ گشتہ اور خود رفتہ رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰحضرت بریلوی نے آیت زیرِ بحث کے ترجمہ میں اپنی بے مثال لغت دانی اور حبِ رسول کا عظیم ترین ثبوت دیا ہے۔ اعلیٰحضرت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:۔

"اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی"

کنزالایمان کے ادبی کمالات

پچھلے صفحات میں انتہائی اختصار سے تراجم قرآن کے تقابلی مطالعہ کے سلسلہ میں چند آیات کے تراجم بطور مشتے نمونہ از خروارے پیش کئے گئے ہیں اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اعلیٰحضرت بریلوی کا ترجمہ علمی، لغوی اور اعتقادی لحاظ سے باقی تراجم پر فوقیت رکھتا ہے ۔

اب ذرا اعلیٰحضرت کے ترجمہ کے ادبی کمالات پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے اور یہ ذہن میں رکھیئے کہ جن حضرات کے تراجم تقابل کے طور پر پیش کئے گئے ہیں، اعلیٰحضرت نے ان سے بہت پہلے یہ ترجمہ تحریر کیا ہے۔ اس دور میں اردو اس قدر ترقی یافتہ زبان نہیں تھی جتنی آج ہے مگر انہوں نے جو کچھ برسوں پیشتر لکھا ہے اسے پڑھ کر یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی آج کا ادیب ترجمہ تحریر کر رہا ہے۔

بخوف طوالت صرف چند آیات کے تراجم پیش کئے جاتے ہیں، ناظرین خود اندازہ کر لیں گے کہ اعلیٰحضرت کے ترجمہ میں کتنے ادبی اوصاف موجود ہیں اور انہوں نے اپنے کوثر و تسنیم سے دھلے ہوئے قلم سے کتنا پاکیزہ ترجمۂ قرآن اردو کے حوالے کر کے اس کے احساس تہی مائیگی کو ختم کر دیا ہے اور اس طرح مشہور صوفی شاعر اور عارف باللہ جناب خواجہ میر درد دہلوی علیہ الرحمۃ کی درج ذیل پیشگوئی کا صحیح مصداق ثابت ہوئے :۔

"اے اردو ! گھبرانا نہیں تو فقیروں کا لگایا ہوا پودا ہے
خوب پھلے پھولے گی تو پروان چڑھے گی۔ ایک زمانہ

ایسا آئے گا کہ قرآن وحدیث تیری آغوش میں اگر آرام کریں گے۔"

(میخانۂ درد صفحہ ۱۵۳ مولفہ سید ناصر نذیر فراق دہلوی)

تراجم قرآن کے تقابلی مطالعہ کے سلسلہ میں ذیل میں چند آیات کے ترجمے ملاحظہ فرمائیے۔

آیت نمبر ۱:۔ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ط (پارہ ۱ رکوع ۴)

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی :۔ "اور ہم برابر تسبیح کرتے رہتے ہیں۔ بحمداللہ اور تقدیس کرتے رہتے ہیں"۔

ترجمہ اعلیحضرت بریلوی :۔ "ہم تجھے سراہتے ہوئے تیری تسبیح کرتے اور تیری پاکی بولتے ہیں"

آیت نمبر ۲ :۔ يُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ

(پارہ ۱۲ رکوع ۱۱)

ترجمہ مولانا محمود الحسن :۔ "سکھلائے گا تجھ کو ٹھکانے پر لگانا باتوں کا"

ترجمہ اعلیحضرت بریلوی :۔ "تجھے باتوں کا انجام نکالنا سکھائے گا"۔

آیت نمبر ۳ :۔ سُورَةٌ أَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَ أَنْزَلْنَا فِيهَا آيٰتٍ بَيِّنٰتٍ

(پارہ ۱۸ رکوع ۷)

ترجمہ مولانا محمود الحسن :۔ "یہ ایک سورت ہے کہ ہم نے اتاری اور ذمہ پر لازم کی اور اتاریں اس میں باتیں صاف"

ترجمہ اعلیحضرت بریلوی :۔ "یہ ایک سورت ہے کہ ہم نے اتاری اور ہم نے اس کے احکام فرض کئے اور ہم نے اس میں روشن آیتیں نازل فرمائیں"۔

آیت نمبر ۴ : ——————— وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (پارہ ۱۹ رکوع ۱)

ترجمہ مولانا محمود الحسن : ——————— "اور کہا رسول نے اے میرے رب میری قوم نے ٹھہرایا ہے اس قرآن کو جھک جھک"

ترجمہ اعلیٰحضرت بریلوی : ——————— "اور رسول نے عرض کی کہ اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑنے کے قابل ٹھہرالیا"

آیت نمبر ۵ : ——————— فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا (پارہ ۱۹۔ رکوع ۴)

ترجمہ مولانا محمود الحسن : ——————— "اب آگے کو ہونی ہے مٹھ بھیڑ"

ترجمہ اعلیٰحضرت بریلوی : ——————— "تو اب ہوگا وہ عذاب کہ لپٹ رہے گا"

آیت نمبر ۶ : ——————— وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ

(پارہ ۲۳ رکوع ۱۳)

ترجمہ مولانا محمود الحسن : ——————— "اور یاد کر ہمارے بندوں کو ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب ہاتھوں والے اور آنکھوں والے"

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی : ——————— "اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کو یاد کیجئے جو ہاتھوں والے اور آنکھوں والے تھے"

ترجمہ اعلیٰحضرت بریلوی : ——————— "اور یاد کرو ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب قدرت اور علم والوں کو"

آیت نمبر ۷ : ——————— اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا (پارہ ۲۹ رکوع ۷)

ترجمہ مولانا محمود الحسن : ——————— "بے شک آدمی بنا ہے جی کا کچا"

ترجمہ اعلیٰحضرت بریلوی : ——————— "بے شک آدمی بنایا گیا ہے بڑا بے صبرا حریص"

آیت نمبر ۸ : ——————— وَجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۝ (پارہ ۳۰ رکوع ۵)

ترجمہ مولانا محمود الحسن : ——————— "اور گھن کے باغ"

ترجمہ اعلیٰحضرت بریلوی : ——————— "اور گھنے باغیچے"

آیت نمبر ۹ : ——————— وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝ (پارہ ۳۰ رکوع ۶)

ترجمہ مولانا محمود الحسن : ——————— "اور جب جنگل کے جانوروں میں رول پڑ جائے"۔

ترجمہ اعلیٰحضرت بریلوی : ——————— "اور جب وحشی جانور جمع کئے جائیں"۔

آیت نمبر ۱۰ : ——————— فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝ (پارہ ۳۰ رکوع ۲۳)

ترجمہ مولانا محمود الحسن : ——————— "اس میں لکھی ہیں کتابیں مضبوط"

ترجمہ اعلیٰحضرت بریلوی : ——————— "ان میں سیدھی باتیں لکھی ہیں"۔

جیساکہ ابتدا میں عرض کیا گیا ہے یہ ایک وسیع موضوع ہے جس پر تفصیلی بحث کسی آئندہ فرصت میں ہو سکتی ہے ؎

دکھاؤں گا تماشا دی اگر فرصت زمانہ نے
میرا ہر داغِ دل اک نخل ہے سرو چراغاں کا

بہرحال ان چند مثالوں سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ اعلیٰحضرت بریلوی علیہ الرحمۃ قرآن میں غیر معمولی بصیرت رکھتے تھے، اعلیٰحضرت بریلوی کا شمار عالم اسلامی کے ان خواص علما میں ہوتا ہے جن کی قامت پر "رسوخ فی العلم" کی قبا راست آتی ہے، قرآن کریم سے ان کو غیر معمولی شغف تھا۔ انہوں نے اللہ کے کلام میں برسوں تدبر کیا، اسی مسلسل تدبر و تفکر کا نتیجہ تھا کہ اعلیٰحضرت کو قرآن پاک سے خاص مناسبت ہو گئی، ان کا ترجمۂ قرآن ان کے برسوں کے فکر و تدبر کا نچوڑ ہے جس کی چند جھلکیاں پچھلے صفحات میں پیش کی گئی ہیں۔ ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

از نیاز فتحپوری

اَسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ

کے لُغوی معنی

جناب محترم ادیب اہل سنّت ملک شیر محمد خان اعوان مدظلہ العالی کا مقالہ "محاسنِ کنز الایمان" کتابت ہو چکا تھا کہ اسی سلسلے میں نیاز فتحپوری کی ایک تحریر سامنے آگئی جسے بطورِ ضمیمہ رسالہ ہذا میں شامل کرنا مناسب سمجھا گیا۔

جناب نیاز فتحپوری اردو زبان کے مسلّم ادیب تھے اور مذہب ان کا آزاد تھا اور اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ ملحد تھے بہر حال اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کا تعلق ہرگز ہرگز ایسا نہیں تھا جیسا کہ ایک مسلمان کا ہوتا ہے — — — — — — بایں ہمہ جب ان کے سامنے استغفر لذنبك کے دیوبندی معنے پیش کیے گئے تو انہوں نے اس کے خلاف رائے دی۔ مقام صد افسوس ہے کہ اپنی قرآن فہمی اور اپنی دینی خدمات کا ڈھنڈورا پٹوانے والوں اور اپنے زہد و تقویٰ کے چرچے کروانے والوں کے اذہان اس طرف کیوں نہیں گئے؟ اور کیا وجہ ہے کہ نیاز جیسے رِند ادیب کا فکر ان "صالحین" سے بازی لے گیا؟

ذیل میں نیاز صاحب سے سائل (سید ذکی الدین) کا سوال اور نیاز صاحب کا جواب درج ہے نیاز صاحب نے جو جواب دیا ہے اس کا آخری حصہ اگرچہ اعلحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ

کے ترجمہ سے ہم آہنگ نہیں لیکن انہوں نے یہ تسلیم کیا ہے کہ تھانوی صاحب کا ترجمہ لغوی اعتبار سے بالکل غلط ہے۔

مقبول احمد قادری رضوی ضیائی

ذنب و استغفار

(سید ذکی الدین۔کلکتہ)

قرآن پاک میں کئی جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ "استغفر لذنبک" اور ذنب کے معنی گناہ کے ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی اس کے معنی گناہ لکھے ہیں لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ مجازاً گناہ کہدیا ہے اور یہ نہیں بتایا گیا کہ اگر ذنب بہ معنی گناہ مجازی معنی میں مستعمل ہوا ہے تو اس کا حقیقی مفہوم کیا ہے۔

○

(نگار) لفظ ذنب اور اس کی جمع ذنوب قرآن مجید میں متعدد جگہ استعمال ہوا ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس کا ترجمہ گناہ ہی کیا جاتا ہے۔ عربی میں ذنب کے علاوہ اور بھی چند الفاظ ہیں جو قریب قریب اسی کے ہم معنی ہیں جیسے جرم، اثم، معصیت لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ان سب کے معنی میں فرق ہے جو محل استعمال سے تعلق رکھتا ہے۔

اس سلسلہ میں صرف لفظ ذنب ہی نہیں بلکہ لفظ استغفار بھی قابل غور ہے۔ کیونکہ استغفار کے معنی بھی عام طور پر توبہ سمجھے جاتے ہیں اور اس طرح استغفر لذنبک کے معنی یہ ہو جاتے ہیں کہ "اپنے گناہ سے توبہ کرو" اور اس سے یقیناً یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ "رسول اللہ سے گناہ بھی سرزد ہو سکتا ہے۔" میں سمجھتا ہوں کہ جس حد تک رسول اللہ کا تعلق ہے استغفار اور ذنب دونوں کا مفہوم وہ نہیں ہے جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔

سب سے پہلے اصولی طور پر یہ دیکھنا چاہیئے کہ رسول اللہ کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ ذنب یا گناہ کے مرتکب ہو سکتے تھے کس حد تک درست ہو سکتا ہے جس وقت ہم قرآن پاک کی ان آیات پر غور کرتے ہیں جن سے رسول اللہ کے کردار واخلاق پر روشنی پڑتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے کسی گناہ کا سرزد ہونا بہت مستبعد تھا جس کے متعلق یہ کہا گیا ہو کہ " لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ " اور " مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى " وہ کیونکر کسی گناہ کا مرتکب ہو سکتا تھا۔

اب آیئے ان آیات پر غور کریں جن میں ذنب اور استغفار ذنب کا ذکر کیا گیا ہے۔

سورۂ مومن میں ارشاد ہوتا ہے :۔

" فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللهِ حق وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ

سورہ محمد میں ارشاد ہوتا ہے :۔

" فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ "

سورہ فتح میں ارشاد ہوتا ہے :۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ اِلَيْكَ "

اسی طرح سورہ نصر میں ارشاد ہوتا ہے :۔

" اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا "

کس قدر عجیب بات ہے کہ یہ تمام آیات وہ ہیں جن میں غلبۂ اسلام و فتح اسلام کی

بشارت دی گئی ہے اور اس کا کوئی موقع ہی نہیں کہ اس سلسلہ میں استغفار اور ذنب کے وہ معنی لئے جائیں جو عام طور سے سمجھے جاتے ہیں۔

استغفار کا مادہ غفر ہے جس کے معنی ڈھانپنے یا کسی چیز کو کسی جگہ محفوظ کردینے کے ہیں اس کا مفہوم توبہ قرار دینا درست نہیں۔ اب لفظ ذنب کو لیجئے۔ عربی میں ذنب بفتح نون کے معنے پیچھے چلنے اور اتباع کرنے کے ہیں اور یہ مفہوم کسی نہ کسی طرح اس کے تمام مشتقات میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ذنب کے معنی بھی نتیجتہً فعل یا فروگذاشت کے ہوں گے جو جرم، گناہ یا معصیت کے مفہوم سے بالکل علیحدہ ہے۔ جن آیات کا ذکر کیا گیا ہے ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں جہاں جہاں استغفار اور ذنب کا ذکر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ غلبۂ اسلام و فتوحات اسلام کے سلسلہ میں اس کے نتائج کی بہتری اور انسانی کمزوریوں کی وجہ سے جو فروگذاشت ہو جائے اس کی تلافی کی دعا کریں۔

(نگار۔ کراچی۔ جون ۱۹۶۲ء
ص ۳۲-۳۳)

قطعہ تاریخ وصال

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی قدس سرہ

نتیجۂ فکر

حضرت مولانا غلام احمد اخگر امرتسری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۴۶ھ)

خلیفۂ حضرت امیرِ ملت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حامیِ دینِ متین احمد رضا　　رفت از دنیا سوئے خلدِ بریں

ایں جہاں از رفتنش تاریک شد　　شد غروب آں آفتاب علم دیں

واصف و شیدائے محبوبِ خدا　　قاطعِ اعناقِ جملہ ملحدیں

وا دریغا رفت زیں دارِ فنا　　مومناں زاندوہ و غم زار و حزیں

گفت اخگر بہر تاریخِ وصال

"نادر العصر آفتابِ علم و دیں"

۱۳۴۰ھ

ولہ

وصلِ حق چوں رضائے احمد یافت　　قدوۂ عالمانِ برّ و بحر

کلکِ اخگر نوشت سالِ وفات　　"زبدۂ مومنین و فاضلِ دہر"

۱۳۴۰ھ

(الفقیہ امرتسر ۲۰ دسمبر ۱۹۲۱ء)

نذرانۂ عقیدت

بحضور اعلیٰ حضرۃ مولانا شاہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

نتیجۂ افکار: ابوالطاہر فدا حسین فدا مدیر مہر و ماہ لاہور

اے امامِ اہلِ سنت! اے فقیہِ بے عدیل
رحمت للعالمیں کی تیغِ الفت کے قتیل

ہو رہے کافور ہیں جو تیرے دم سے کفر و شرک
تا ابد تجھ پر رہے گی رحمتِ ربِّ جلیل

خائف و لرزاں ہوا تجھ سے ہر اک باطل پرست
تیرے علم و فضل کی ہے کیا ہی یہ روشن دلیل

ہو گیا ذکرِ تبارِن دہر سے تو بے نیاز
مرحبا "نعتِ محمدؐ" ہے ترا ذکرِ جمیل

ہر دلِ گمراہ کو تو نے دکھائی "راہِ حق"
حق تعالیٰ سے عطا ہو گا تجھے اجرِ جزیل

ہے مئے عشقِ رسول اللہ سے مخمور تو
ہو نہ پھر کیونکر خدائے دو جہاں تیرا خلیل

خلد میں جائیں گے جس دم حضرتِ احمد رضا
پیشِ قدمی کو فدا آئیں گے بیشک جبرئیل

(یہ نظم جلسۂ "یومِ رضا" کے موقع پر پڑھی گئی)

مرکزی مجلس رضا ، لاہور
کی خدمات کا اعتراف

مولانا محمد افضل کوٹلوی ، ایم - اے مدیر ماہنامہ فیض رضا ، لائل پور نے اداریہ میں تحریر فرمایا :—

(۱) ''مرکزی مجلس رضا، لاہور ۱۹۶۸ء سے جو تبلیغی خدمات سرانجام دے رہی ہے ، وہ محتاج بیان نہیں ، اس کی طرف سے ہر سال یوم رضا کے نام سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کی یاد وسیع پیمانے پر منانے کا پروگرام بنایا جاتا ہے - مجالس مذاکرات منعقد کی جاتی ہیں ، جن میں علماء کرام اور زعماں ملت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی حیات مبارکہ اور آپ کے علمی ، دینی اور ملکی و ملی خدمات کے سلسلہ میں تحقیقی مقالات پڑھتے اور تقاریر کرتے ہیں - پھر ان مقالات کی اشاعت کا انتظام بھی کیا جاتا ہے - اس طرح مجلس رضا نے اعلیٰ حضرت کے بارے میں تحقیقی کام کرنے کے مواقع مہیا کیے ہیں - مرکزی مجلس رضا کا پروگرام یقیناً وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کرتا ہے -

اس وقت تک مرکزی مجلس رضا تجلی المشکواۃ ، فاضل بریلوی اور ترک موالات، اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام اور سوانح سراج الفقہا (وغیرہ) جیسی گراں قدر کتابیں شائع کرا چکی ہے - یہ تمام کتابیں بڑے اہتمام سے شائع کی گئی ہیں ، لیکن ان کی قیمت نہیں رکھی گئی . . . . ہم مجلس رضا کے بانی حضرات اور مخلص کارکنوں کی کارگزاریوں پہ ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں'' - —(ماہنامہ فیض رضا ، لائل پور - مئی ۱۹۷۲ء)

(۲) ''مرکزی مجلس رضا ، لاہور نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں سے عامۃ الناس کو روشناس کرانے کے لیے جو تحریک شروع کی تھی ، اس کے اثرات اب عام ہوتے جا رہے ہیں اور اب جگہ جگہ یوم رضا کے نام سے مجالس مذاکرات اور جلسوں کا اہتمام ہونے لگا ہے - مجلس رضا نے فاضل بریلوی سے متعلق جو تحقیقی کتابیں شائع کرائی ہیں اس کا بھی خاطر خواہ نتیجہ نکلا ہے'' -

—(ماہنامہ فیض رضا ، لائل پور - اپریل ۱۹۷۴ء)

یوم رضا ہر سال نوری مسجد بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور منایا جاتا ہے